کُفر

کفر کو کیجیے عزیز از جان
اس میں پنہاں ہیں فکر کے امکان
صفتِ نور و رنگ و نقش و نگار
اس میں تخلیق کے ہیں سو گلزار
خالی چھوڑیں نہ صفحہء قرطاس
دیجیے صورتوں کو سو اَنفاس
کیجیے پیدا ہر طرف نقّاش
جاری کیجے صلاحیت کی مَعاش
کوششِ فن میں لاکھ ہیں مُضمَر
حُسنِ خلاّقیت کے سو جوہر
بُت تراشی میں ہے ثقافت و رنگ
جہل و اِفلاس سے ہے اسکی جنگ
بُت تراشیں کہ ہے یہ کارِ ثواب
سنگ میں صورتیں ہیں سو نایاب
ہے ہنرکاریوں کا مشکل کام
ان سے ہوتی ہے زندگی سب رام
ساز و سُر کا کریں جہاں آباد
سُر کی موسیقیت سے ہیں سب شاد

نقشِ ارژنگ نے سجائے تھے
کتنے ایوان و در بنائے تھے
بت تراشی نے تھا دیا یونان
آدمی ان سے بن گیا انسان
ہاں ثقافت نے تھا کیا ایجاد
اک تمدن غنی و شاد آباد
آج لیکن بساطِ اسلامی
اس پہ طاری ہے ایک ناکامی
اسکے صوم و صلات کا اِدبار
کند کرتا ہے فکر کو سو بار
اسکے بدلے چلے ہوائے بہار
قوتِ فکر آئے برسرِکار
توڑ کر رسمِ کہنہ اور رواج
کیجے عقل و خرد کو پیش خراج
آج لازم ہے ایک عزمِ عظیم
چل پڑے پھر سروں پہ بادِ صمیم
ہاں بدل جائے یوں چمن کا طریق
ریشہء گل ہو زندگی میں غریق
نظم و ضبط و تدبر و احساس
یہ بنیں زندہ کارواں کی اساس

عورتوں کو دلاییٔے تعلیم
اس سے خوش ہوگا اپنا ربِّ کریم
زن ہو مصروفِ کار ، فکر نواز
اس سے ملتی ہے قوم کو پرواز
پڑھیے ہر نوع کی کتاب ضرور
عقل کی ہونگی مشکلیں سب دور
ہاں غزالی کے چھوڑیے افکار
اس نے بھجوایا قوم کو سرِ دار
فلسفے سے تھا اسکو بیر قدیم
فکرِ یونان سے عنادِ عظیم
تھا ریاضی سے اسکو استفراغ
وہ تھا محدودیت کا ایک کُلاغ
رقص و فن فکر و فلسفے کا نظام
ان سے تہذیب کو ہوا ہے دوام
ان سے بڑھتا ہے آدمی کا شعور
جہل و نکبت سے وہ ہوا یوں دور
اسکا احساس بڑھ گیا فی الفور
اسکو آنے لگا سلیقۂ غور
اس نے پھر ڈارون کو پہچانا
ارتقا کے اصول کو مانا

نازک و صد ہزار پیچیدہ
رشتہء زندگی تھا سنجیدہ
ساری اشکال تھیں یہاں مربوط
ماسوائے مثالِ آدمِ لوط
زندگی اور محیط اور ماحول
جب وہ سمجھا تو دل گیا بس کھول
اس نے سمجھا کہ کس طرح آدم
کررہا تھا نقوشِ فطرت کم
کیسے اس نے بگاڑی شکل حیات
مشکلیں کیوں بڑھیں یہاں دن رات
شبِ تاریک کیسے آئی تھی
کس طرح وہ زمیں پہ چھائی تھی
حرصِ آدم کا تھا یہ سارا قصور
پڑ گیا جس سے زندگی میں فتور
فضلہ گاہِ تمدنِ انسان
کررہا ہے زمین کو بیجان
ہے کثافت ہوا میں اور در آب
ہرطرف زندگی کا دل ہے خراب
دیکھ کر آدمی کا کفرِ عظیم
غیض میں آ گیا ہے ربِّ کریم

برّ و بحر و ہزار دشت و جبال
ان پہ طاری ہے ایک رنج و ملال
قحط و بارش ہیں بے سبب بے طور
کیجیے ان نکات پر کچھ غور
کہیں خطے ہیں موردِ سیلاب
کہیں نہریں ہیں خشک اور بے آب
گر ہو منظور اب بقائے حیات
کیجیے عقل اور شعور کی بات
ہر طرف پیڑیے درخت گھنے
گرمیء آفتاب جن سے چھنے
ہے یہ بیشک عظیم کارِ ثواب
جس پہ ہے منحصر زمیں کا حساب
بارشی جنگلوں کو دیجے فروغ
ہے بقا ان سے، کچھ نہیں یہ دروغ
جنگلوں کی جو چھتریاں ہیں گھنی
ان میں ہے زندگی کی سانس چھنی
ان سے چلتی ہے جو ہوائے بہار
اس پہ ہے سب نفس کا دارومدار
کھربوں پیدا جو ہیں یہاں حشَرات
ہیں وہی زندگی کی اصل برات

ان سے قائم ہے کارخانہء ارض
اس کو سمجھیں کہ یہ ہے آپکا فرض
باقی انسان تو اضافی ہیں
اب جو دنیا میں ہیں وہ کافی ہیں
وہ نہ ہادی نہ اشرف المخلوق
ہیں فقط وہ بلاؤں کا صندوق
انکی تعداد گر کبھی کم ہو
ارض فارغ ہو اور زمیں نم ہو
دشت و در میں چلے ہوائے بہار
کرلے پھرسے زمین سبز سنگھار
ابرِ باراں بھی وقت پر برسے
کوئی خطہ نہ آب کو ترسے
نہر و دریا رواں رہیں دن رات
بیج بہتے رہیں کنارِ حیات
اس توازن گہِ زمیں کا نظام
تھا کڑوڑوں برس میں اسکا قیام
آدمی کی حیات ، اسکا وجود
حق میں دنیا کے تھا بہت بے سود
تھا وہ نالائقِ بہشتِ زمین
حرص وتخریب و جنگ اسکا دین

برفِ قطبین سب پگھلتی ہے
ضبح یوں زندگی کی ڈھلتی ہے
جنگ ہے شرق وغرب میں دن رات
زندگی ، ہائے زندگی ، ہیہات!
اس کو پہنچا دیا کنارِ فنا
یہ پیامِ زمین کس نے سنا
دشت و در جل رہے ہیں سارے مدام
ریت ہے جنگلوں میں محوِ خرام
ابر عنقا ، بہار بھی عنقا
ہے خزاں دائمی کنارِ بقا
دشت و در ہر طرف ہیں آلودہ
تال و نہر گندگی کا فالودہ
تھا یہی کفر اور یہی ہے عذاب
سر پہ نازل ہے زندگی کا عتاب
صورتِ برگ و گل ہوئی کمتر
پڑھیے گر یاد ہو کوئی منتر
یاد ہو گر کوئی دعا کیجے
شکلِ امید کو سِوا کیجے
میری کوشش یہی ، یہی وہ کلام
جس میں ہے نوحہ گر مرا پیغام

ع زوارِد

November 2016